اختر راہی

علامہ اقبال کا سفرِ افغانستان

۱۹۳۳ میں شاہِ افغانستان اعلیٰ حضرت نادر شاہ نے بعض مذہبی اور تعلیمی امور کے متعلق مشورے کے لیے بر صغیر کے تین دانشوروں ــ علامہ اقبال، راس مسعود اور سید سلیمان ندوی ــ کو افغانستان آنے کی دعوت دی۔ علامہ اقبال کی وساطت سے راس مسعود اور سید سلیمان ندوی کو قونصل جنرل کا باضابطہ دعوت نامہ بھیجا گیا۔ قونصل جنرل کی خواہش تھی کہ یہ تینوں بزرگ ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۳ کے جشنِ استقلال کے موقع پر کابل پہنچ جائیں، مگر اس قدر جلد پاسپورٹ کا ملنا ممکن نہ تھا اور جب تک پاسپورٹ نہ حاصل ہو جاتا روانگی کی تاریخ کا حتمی تعین نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ جب ۱۷ اکتوبر ۱۹۳۳ کو علامہ صاحب اور راس مسعود کو پاسپورٹ مل گیا تو ۲۰ اکتوبر کو لاہور سے اور ۲۱ اکتوبر کو پشاور سے روانگی کا پروگرام بن گیا۔ علامہ اور راس مسعود اسی پروگرام کے مطابق لاہور سے پشاور روانہ ہوئے اور سفر شروع کر دیا۔ رات ''ڈین ہوٹل'' میں بسر کی۔ یہ ہوٹل پشاور چھاؤنی کے بالکل قریب ہے۔ سید سلیمان ندوی کے پاسپورٹ ملنے میں دیر تھی، اس لیے وہ پشاور بھی اپنے ساتھیوں سے نہ مل سکے۔ آخر ۲۳ اکتوبر کو لکھنو سے اور ۲۵ کو پشاور سے روانہ ہوئے۔

علامہ نے سفر پر روانہ ہونے سے پہلے درجِ ذیل اخباری بیان دیا:

''تعلیم یافتہ افغانستان ہندوستان کا بہترین دوست ہوگا۔ کابل میں ایک نئی یونیورسٹی کا قیام اور ہندوستان کے شمال مغربی علاقہ میں اسلامیہ کالج پشاور کو ایک دوسری یونیورسٹی میں تبدیل کرنے کی سکیم ہندوستان اور افغانستان کے درمیانی علاقہ میں بسنے والے ہوشیار افغان قبیلوں کی سدھار میں بہت زیادہ ممد ثابت ہوگی۔

''شاہ افغانستان نے ہمیں اس لیے دعوت دی ہے کہ ہم وہاں وزیرِ تعلیم کو کابل میں یونیورسٹی کے قیام کے سلسلے میں مشورہ دیں۔ اعلیٰ حضرت کی

دعوت کو قبول کرنا ہم نے اپنا فرض سمجھا ۔ کابل سے شائع ہونے والے مختلف جرائد سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کا نوجوان طبقہ نئے علوم کی تحصیل اور اُنھیں اپنے مذہب اور تمدن کے سانچے میں ڈھالنے کا بے حد خواہش مند ہے ۔ افغان لوگ بہت خلیق ہوتے ہیں اور ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے ہمارا فرض ہے کہ ہم اُن کی زیادہ سے زیادہ امداد کریں ، اور اب یہ امر بالکل واضح ہے کہ افغان لوگوں میں ایک نئی بیداری پیدا ہو رہی ہے اور ہمیں امید واثق ہے کہ ہندوستان کے اندر تعلیمی تجربہ کی روشنی میں ہم اُنھیں تعلیمی مسائل میں مفید مشورہ دے سکیں گے ۔

''میرا اپنا یہ خیال ہے کہ خالص دنیوی تعلیم سے اچھے نتائج پیدا نہیں ہوئے اور خصوصاً اسلامی ممالک میں ۔ مزید برآں کسی طریقۂ تعلیم کو قطعی اور آخری نہیں کہا جا سکتا ۔ ہر ملک کی ضروریات کو خاص طور پر مدِ نظر رکھنا پڑتا ہے ۔''[۱]

علامہ اور راس مسعود ۲۳ اکتوبر کو کابل پہنچ گئے تھے ۔ قیام کا انتظام کابل کے نئے حصۂ شہر ''دارالامان'' کے شاہی مہمان خانے میں کیا گیا تھا ۔[۲] ۲۶ اکتوبر رات آٹھ بجے سید سلیمان ندوی اپنے ساتھیوں سے آ ملے ۔ راس مسعود صاحب کے ساتھ پروفیسر ہادی حسن بطور سیکرٹری آئے تھے ۔ پروفیسر ہادی حسن نواب محسن الملک مرحوم کے بھتیجے تھے اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں سائنس کے اُستاد تھے ۔ علامہ کے سیکرٹری غلام رسول خاں بیرسٹر تھے جو امیر حبیب اللہ کے زمانے میں کابل میں بصیغۂ تعلیمات چند سال رہ چکے تھے ۔

نادر شاہ سے ملاقات ۔ سید سلیمان ندوی کے حلقۂ یاراں میں شامل ہونے سے پہلے تعلیمی مشورت کے لیے چند اجلاس ہوئے جن میں حکومتِ افغانستان کے بعض سرکردہ افراد نے شرکت کی اور ان اجلاسوں میں کارروائی راس مسعود صاحب نے نوٹ کی ۔ نیز علامہ اور راس مسعود کی ملاقات نادر شاہ سے بھی ہوئی ۔ اس ملاقات کے بارے میں ڈاکٹر ظہیرالدین لکھتے ہیں :

''پہلی ملاقات میں مغرب[۳] کی نماز کے موقع پر نادر شاہ نے اقبال سے امامت کی درخواست کی ۔ اقبال نے کہا : نادر ، میں نے اپنی عمر کسی شاہِ عادل کی اقتدا میں نماز پڑھنے کی تمنّا میں گزار دی ہے ۔ آج جب کہ خدا نے فقیر کی اس مراد کے پورا کرنے کے اسباب مہیا کر دیے ہیں تو کیا تو مجھے

۱۔ ''حرفِ اقبال'' ، ص ۲۳۰ ۔ ۲۔ ''اقبالِ کامل'' ، ص ۳۳ ۔
۳۔ ''عصر'' درست ہے ــ اختر ۔

اس نعمت سے محروم کرنا چاہتا ہے ؟ آج میں تیری اقتدا میں نماز پڑھوں گا ۔ امامت تجھ کو کرنی ہوگی ۔''[۳]

علامہ نے مثنوی ''مسافر'' میں اس ملاقات کا ذکر نہایت پُر اثر طریقے سے کیا ہے :

قصرِ سلطانی کہ نامش دلکشاست — زائران را گردِ راہش کیمیاست
شاہ را دیدم در آن کاخِ بلند — پیشِ سلطانے فقیرے دردمند !
خُلقِ او اقلیمِ دلہا را کشود — رسم و آئینِ ملوک آنجا نہ بود
من حضورِ آن شہِ والا گہر — بے نوا مردے بدر بارِ عمر
جانم از سوزِ کلامش در گداز — دستِ او بوسیدم از راہِ نیاز
پادشاہے خوش کلام و سادہ پوش — سخت کوش و نرم خوے و گرم جوش
صدق و اخلاص از نگاہش آشکار — دین و دولت از وجودش استوار
خاکی و از نوریان پاکیزہ تر — از مقامِ فقر و شاہی با خبر
در نگاہش روزگارِ شرق و غرب — حکمتِ او رازِ دارِ شرق و غرب
شہریارے چون حکیمان نکتہ دان — رازِ دانِ مد و جزرِ اُمتان
پردہ ہا از طلعتِ سعنی کشود — نکتہ ہائے ملک و دین را وا نمود
گفت ازان آتش کہ داری در بدن — من ترا دانم عزیزِ خویشتن
ہر کہ اُو را از محبت رنگ و بوست — در نگاہم ہاشم و محمود اوست
در حضورِ آن مسلمانِ کریم ! — ہدیہ آوردم ز قرآنِ عظیم
گفتم این سرمایۂ اہلِ حق است — در ضمیرِ اُو حیاتِ مطلق است
اندر و ہر ابتدا را انتہا است — حیدر از نیروئے او خیبر کشا است
تشنۂ حرفم بخونِ اُو دوید — دانہ دانہ اشک از چشمش چکید
گفت ''نادر در جہان بے چارہ بود — از غمِ دین و وطن آوارہ بود
کوہ و دشت از اضطرابم بے خبر — از غمانِ بے حسابم بے خبر
نالہ ہا بانگِ ہزار آمیختم — اشک با جوئے بہار آمیختم
غیرِ قرآن شمگسارِ من نہ بود
توتش بر باب را بر من کشود''
گفتگوئے خسروِ والا نژاد — باز با من جذبۂ سرشار داد
وقتِ عصر آمد صدائے الصلوٰت — آن کہ مومن را کند پاک از جہات
التہائے عاشقان سوز و گداز — کردم اندر اقتدائے اُو نماز

۳۔ ''اقبال کی کہانی'' ، ص ۹۶ - ۹۷ -

راز ہائے آن قیام و آن سجود
جز ببزمِ محرمان نتوان کشود[۵]

عشائیے میں شرکت - ۲۶ اکتوبر کو سردار ہاشم خان صدرِ اعظم نے مہمانوں کے اعزاز میں عشائیے کا اہتمام کیا - عشائیے میں افغانستان کے سربرآوردہ افراد ، وزرا اور فوجی افسران شریک تھے - سردار ہاشم خان سے مہمانوں کا تعارف سردار فیض محمد خان (وزیر خارجہ) نے کرایا - اس کے بعد سردار ہاشم خان مہمانوں کو لے کر کھانے کے کمرے میں گئے - کھانا میزوں پر تھا اور ہر چیز یورپی طریقے کے مطابق آراستہ تھی - کھانا کھانے اور کھلانے کا طریق اور ملازموں کا ادب و سلیقہ ہر چیز یورپ کے تمدنِ جدید کے مطابق تھی - علامہ اقبال[۶] کے بقول ''ہم کو تعجب ہو رہا تھا کہ آیا ہم افغانستان کے شہر کابل میں ہیں یا تمدنِ جدید کی نئی دلی میں -''[۶]

کھانے کے میز پر تبادلۂ خیال شروع ہوا - سید سلیمان ندوی نے افغانستان میں اشاعتِ اسلام کے بارے میں گفتگو کی - راس مسعود نے اپنے سفرِ جاپان کے پُر لطف تاثرات اور واقعات بیان کیے اور علامہ نے فلسفہ و سیاست کے بعض نکات آسان اور دوستانہ انداز میں واضح کیے -

کھانے سے فارغ ہو کر ملاقات کے پہلے کمرے میں مہمان جمع ہوئے - چائے سگریٹ سے تواضع کی گئی - سردار ہاشم خان (میزبان) نے دریافت کیا کہ گانا سننے میں تو کوئی حرج نہیں ! سید حاصب نے کہا : بلا ساز کوئی مضائقہ نہیں - وہ شاید ساز کا لفظ نہ سمجھے - کہنے لگے : ہمارے ہاں رنڈی منڈی نہیں ہوتی - مرد گاتے ہیں - علامہ نے تائید کی - گویے آئے - بیدل اور حافظ کی غزلوں سے فردوسِ گوش کا سماں پیدا کیا -

نمازِ جمعہ - ۲۷ اکتوبر جمعہ کا دن تھا - بادشاہ شہر کی مختلف مسجدوں میں باری باری جمعہ کی نماز ادا کرتے تھے - اس روز شہر کی سب سے بڑی مسجد ''پُل خشتی'' میں نماز پڑھنے والے تھے - علامہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز ادا کرنے مسجد پُل خشتی گئے - مسجد میں بادشاہ کے لیے مقصورہ بنا ہوا تھا - مہمانوں کو بھی مقصورہ میں جگہ دی گئی - نماز جمعہ سے واپسی پر علامہ اور سید صاحب کے ساتھ ایک ذمہ دار شخص بھی تھے - ان سے چینی ترکستان کے واقعات کی نسبت گفتگو ہوتی رہی - علامہ نے دورانِ گفتگو فرمایا :

۵- مثنوی ''مسافر'' ، ص ۱۳ - ۱۵ -
۶- ''سیرِ افغانستان'' ، ص ۳۲ -

''یورپ نے اپنی اس نئی ترقی میں سارا زور بحری طاقت پر صرف کیا اور ہر قسم کی تجارتی آمد و رفت اور سیر و سیاحت کے راستے دریائی رکھے اور اپنے انہی جہازوں کے ذریعہ سے مشرق کو مغرب سے ملا دیا۔ لیکن اب یہ نظر آ رہا ہے کہ ان بحری راستوں کی یہ حیثیت جلد فنا ہو جائے گی۔ اب آئندہ مشرق وسطیٰ کا راستہ مشرق و مغرب کو ملائے گا اور 'تری کے بجائے 'خشکی کا راستہ اہمیت حاصل کرے گا۔ تجارتی قافلے اب موٹروں، لاریوں، ہوائی جہازوں اور ریلوں کے ذریعے مشرق و مغرب میں آئیں جائیں گے اور چونکہ یہ پورا راستہ اسلامی ملکوں سے ہو کر گزرے گا، اس لیے اس انقلاب سے ان اسلامی ملکوں میں عظیم الشان اقتصادی و سیاسی انقلاب رونما ہوگا۔''[۶]

واپس دارالامان (مہمان خانہ) آ کر کھانا تناول کیا اور ''نورالمشائخ'' سے ملاقات کا پروگرام بنایا۔

نورالمشائخ[۷] سے ملاقات : افغانستان کی سیاست میں شروع سے علما کو خاصا عمل دخل حاصل رہا ہے اور علما میں مجددی سلسلے کے روحانی پیشوا مثلاً شور بازار نورالمشائخ کا مرتبہ سب سے بلند تھا۔ ''نورالمشائخ'' کا اصل نام فضل عمر تھا۔ اُن کے مریدوں کی تعداد لاکھوں میں تھی۔ ۱۹۱۸ کی جنگِ افغانستان میں وہ جنرل نادر خان کے ساتھ شریکِ جہاد تھے اور اُن کی تقاریر سے قبائلی مسلمان جوق در جوق لشکر میں شامل ہوئے تھے۔

برصغیر میں بھی اُن کے خاصے مرید تھے۔ جب امان اللہ خان نے اصلاحات میں حدِ اعتدال سے تجاوز کیا تو اُس سے ناراض ہو کر یہاں آ گئے تھے۔ بچہ سقہ کے پورے دور میں وہ برصغیر میں رہے۔ نادر خان کی کامیابی پر واپس وطن گئے تھے۔ حکومت نے خیر مقدم کیا اور وزیرِ عدالت مقرر کر دیا۔ کچھ عرصے تک وزارتِ عدل کا فریضہ انجام دیا مگر اپنی درویشی اور طریقۂ ارشاد کے خلاف سمجھ کر عہدے سے دستکش ہو گئے۔

علامہ نے نورالمشائخ سے اُن کی قیام گاہ پر ملاقات کی۔ وہ علامہ سے لاہور میں مل چکے تھے۔ سید صاحب نے گفتگو میں خوب حصہ لیا۔ برصغیر کے حالات اور بچہ سقہ کے دور پر بات چیت رہی۔ چائے نوشی کے بعد علامہ اجازت لی۔

کو نورالمشائخ نے خشک میوے بطورِ تحفہ دیے اور 'ہر لطف گفتگو کے بعد

ہندوستانی پارٹی : افغانستان میں مقیم برصغیر کے باشندوں نے اپنے ہم وطن

۶۔ ایضاً۔

دانشوروں کے اکرام میں کھانے کا انتظام کیا ۔ اللہ نواز خان[۸] کے ہاں دعوت کا اہتمام تھا ۔ مدعوئین میں سردار فیض محمد (وزیر خارجہ) ، مولانا سیف الرحمان ، مولانا محمد میاں منصور انصاری (مؤلف ''علمائے ہند کا شاندار ماضی'' و سیکرٹری جمعیت علمائے ہند) اور مولانا محمد بشیر (صدر جماعت مجاہدین ، جن کا مرکز چمرقند تھا) نمایاں تھے ۔

دعوت باغ میں تھی ۔ کسی نے باغ کا فوارہ کھول دیا ۔ راس مسعود مبتلائے زکام تھے ۔ اُن کے کہنے پر بند کرنا پڑا ۔ اس موقع پر سردار فیض محمد خان نے مہمانوں کی طرف اشارہ کرکے برجستہ یہ شعر پڑھا :

گوہر شہوار می سازد نثارِ قدمت
''ورنہ از فوارہ مقصود دگر کے دارد آب''

مصرعہ اوّلین تو کسی شاعر کا ہے مگر دوسرے مصرعے نے جو خود سردار صاحب کی بدیہہ گوئی کا نتیجہ تھا محفل میں ہلکی سی مسکراہٹ پیدا کر دی ۔

علامہ نے دوستوں کے اصرار پر پہلا مصرعہ بدل کر جواب دے دیا ۔ افسوس کہ سید سلیمان صاحب کو پورا مصرعہ یاد نہیں ۔ کچھ یوں تھا :

- - - می شمارد قدرِ احسان شما
ورنہ از فوارہ مقصود دگر کے دارد آب

چائے سے فارغ ہوکر حاضرین کا گروپ فوٹو لیا گیا ۔ اس کے بعد مولانا محمد بشیر نے مہمانوں کو خیر مقدم کہا جس میں ان دانشوروں کو افغانستان بلانے پر حکومت کا شکریہ ادا کیا ۔ مہمانوں کی طرف سے سید سلیمان ندوی مرحوم نے جوابی تقریر کی ۔ علامہ نے بھی مختصر خطاب کیا ۔

سید سلیمان ندوی کابل میں چند روز ٹھہر کر پشاور کے راستے ہی واپس آنا چاہتے تھے مگر علامہ سرزمین غزنی کی زیارت کا شوق رکھتے تھے ۔ اس لیے واپسی غزنین ، قندھار اور چمن کے راستے ہوئی ۔

صدرِ اعظم سردار محمد ہاشم سے ملاقات : اگلے روز ۲۸ اکتوبر کو سردار محمد ہاشم مہمانوں سے ملاقات کے لیے اُن کی قیام گاہ آئے ۔ دیر تک گفتگو رہی ۔

۸۔ جنگِ عظیم اوّل کے زمانے میں اسلامیہ کالج لاہور کے گیارہ طالب علم سرحد پار چلے گئے تھے ۔ ان میں سے ایک اللہ نواز خان تھے ۔ اُن کا خاندان ملتان میں آباد تھا ۔ بچہ سقہ سے نجات حاصل کرنے میں انھوں نے نادر خان کی مدد کی تھی ۔

راس مسعود صاحب نے ملک میں معدنیات کی ترقی اور سڑکوں کی تعمیر پر زور دیا اور فرمایا کہ معدنیات سے اُن کا مقصود جواہرات اور ہیروں کی کانوں کی دریافت اور ترقی نہیں - ان چیزوں کی قدر و قیمت اب پہلے جیسی نہیں رہی — بلکہ اُن کا مقصود مختلف دھاتوں اور خصوصاً پٹرولیم کی دریافت اور جستجو سے ہے جس کی کثیر مقدار ان پہاڑوں اور وادیوں کے اندر معلوم ہوتی ہے -

سردار محمد ہاشم خان (صدر اعظم) نے ترقیاتی پروگراموں پر روشنی ڈالی - علامہ نے بھی سڑکوں کی تعمیر پر زور دیا اور آئندہ مستقبل میں مشرق وسطیٰ اور افغانستان کی جغرافیائی اہمیت واضح کی - صدر اعظم نے مہمانوں کے ساتھ کھانا کھایا اور تین بجے رخصت ہوئے -

شاہ محمود خان وزیر جنگ کی دعوتِ چائے - چار بجے شام وزیر جنگ شاہ محمود خان کے ہاں چائے کی دعوت تھی جس میں چیدہ افراد نے شرکت کی - سات بجے تک اسی دعوت میں وقت گزرا اور افغانستان کے حالات پر گفتگو ہوتی رہی -

انجمن ادبی کی دعوت - ساڑھے سات بجے شب انجمن ادبی کابل کی طرف سے دعوتِ شب (ڈنر) طے شدہ تھی - کابل ہوٹل میں انجمن سے منسلک ادیب جمع ہوئے - شہزادہ علی احمد خان درانی ، جو اسلامیہ کالج لاہور کے تعلیم یافتہ اور سیکرٹریٹ افغانستان کے ایک معزز عہدے دار تھے ، اس انجمن کے سیکرٹری اور روحِ رواں تھے - انجمن ایک ماہانہ مجلہ ''کابل'' شائع کرتی تھی - اسی مجلہ میں علامہ کے دورانِ قیامِ افغانستان میں مندرجہ ذیل نظم (یا غزل) بعنوان ''پیام اقبال بملت کوہسار'' شائع ہوئی تھی -

صبا بگوئے بافغان کوہسار از من
بمنزلے رسد آن ملتے کہ خود نگر است
مریدِ پیر خراباتیان خودبین ، شو
نگہِ او ز عقابِ گرسنہ تیز تر است
ضمیرتست کہ نقشِ زمانۂ تو کشد
نہ حرکتِ فلک است این ، نہ گردش قمر است
دگر بسلسلۂ کوہسار خود بنگر !
کہ تو کلیمی و صبح تجلی دگر است
بیا بیا کہ بدامانِ نادر آویزیم
کہ مرد پاک نہاد است و صاحبِ نظر است

یکے است ضربتِ اقبال و ضربتِ فرہاد
جز ایں کہ تیشۂ ما را نشانہ بر جگر است[۹]

انجمن کے صدر نشین نے مہمانوں کو خیر مقدم (بزبان فارسی) کہا۔ خیر مقدمی ایڈریس میں مہمانوں کی آمد پر اظہارِ مسرت کیا گیا تھا۔ علامہ کی علمی خدمات کے تذکرے میں تھا :

''حضرتِ اقبال کے قیمتی آثار و تالیفات جن میں سے ہر ایک نے اخلاق، سعی و عمل، اجتماع، جذباتِ شرق دوستی اور احساساتِ اسلام پرستی کی اہل ایشیا کے جسموں میں روح پھونکی ہے۔''[۱۰]

خیر مقدم کے بعد افغانستان کے مشہور شاعر جناب قاری عبداللہ خان نے مہمانوں کے اعزاز میں نظم پڑھی۔ علامہ سے متعلق اشعار درج ہیں :

عزیزان ز ہندوستان آمدند — در افغانستان میہمان آمدند
در آنان یکے دکتر اقبال ہند — سخن پرور و واقفِ حال ہند
ادیبِ سخن گستر نکتہ سنج — کہ ہر نکتہ اش بہتر آمد ز گنج
چمن گردۂ طرزِ رنگین اوست — شکر پارۂ حرف شیرینِ اوست
کلامش چو اوجِ بلندی گرفت — سخن رتبۂ ارجمندی گرفت
زند طعنہ آہنگ او برق را — کہ خوابان بود نہضتِ شرق را
نوین شیوۂ را بہ سبکِ کہن — در آمیخت از قدرت علم و فن
چو اندر سخن جادۂ نو گزید — پیامش ز مشرق بہ مغرب رسید
سخن را در آمیخت چون با علوم — ازو زندہ شد طرزِ مولائے روم
جوفکرش پئے فیلسوفی گرفت — طرازِ سخن طرزِ صوفی گرفت
نوایش ہم آہنگ با نفخِ صور — کہ افسردگان را در آرد بشور
جو بلبل بآہنگ کہسارِ ما — ز ہند آمد این طوطی خوشنوا

نظم کے بعد مہمانوں کی طرف سے پروفیسر ہادی حسن، سر راس مسعود اور علامہ سید سلیمان ندوی نے تقریریں کیں۔ سب سے آخر میں ڈاکٹر صاحب نے مندرجہ ذیل تقریر کی جو اس موقع پر بہت پُراثر ثابت ہوئی :

''اگرچہ سر راس مسعود اور سید سلیمان ندوی کی تقریروں کے بعد اب

۹۔ ''اسلامی تعلیم''، اقبال نمبر، ص ۴۔
۱۰۔ ''سیر افغانستان''، ص ۶۸۔

کوئی چیز ایسی باقی نہیں ہے جسے میں بیان کروں لیکن انجمن ادبی کابل کے ارکان مجھ سے بھی توقع رکھتے ہوں گے کہ خیر مقدم کے جواب میں میں بھی کچھ عرض کروں ۔ میں انجمن کا بہت ممنون ہوں کہ اس نے میرے متعلق نظم و نثر میں بہت اچھے خیالات اور پُراحساس جذبات ظاہر کیے ہیں ۔

" میں بھی خواہش رکھتا ہوں کہ انجمن کے نوجوان ارکان کے عملی پہلو سے بحث کروں ۔ میرا عقیدہ ہے کہ آرٹ یعنی ادبیات یا شاعری یا مصوّری یا موسیقی یا معماری ان میں سے ہر ایک زندگی کی معاون اور خدمت گار ہے ۔ اس بنا پر میں آرٹ کو ایجاد و اختراع سمجھتا ہوں نہ کہ محض آلۂ تفریح ۔ شاعر قوم کی زندگی کی بنیاد کو آباد بھی کر سکتا ہے اور برباد بھی ۔ اس وقت جب کہ حکومت یہ کوشش کر رہی ہے کہ موجودہ زمانہ میں افغانستان کی تاریخ ایک نئی زندگی کے میدان میں داخل ہو تو اس ملک کے شعرا پر لازم ہے کہ وہ نوجوان قوم کے سچے رہنما بنیں ۔ زندگی کی عظمت اور بزرگی کی بجائے موت کو زیادہ بڑھا کر نہ دکھائیں کیونکہ جب آرٹ موت کا نقشہ کھینچتا ہے اور اس کو بڑھا چڑھا کر دکھاتا ہے اُس وقت وہ سخت خوف ناک اور برباد کُن ہو جاتا ہے اور جو حسن قوّت سے خالی ہو وہ محض پیامِ موت ہے :

دل بری بے قاہری جادوگری است دل بری با قاہری پیغمبری است

''میں چاہتا ہوں کہ آپ کی توجہ کو ایک مرکزی نقطہ کی طرف مبذول کروں ۔ حیاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات میں سے ایک واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں عرب کے مشہور شاعر امراء القیس کے کچھ اشعار پڑھے گئے ۔ ارشاد ہوا ، 'الشعر الشعراء و قایدھم الی النار' یعنی تمام شاعروں میں بہترین شاعر اور اُن کو دوزخ کی طرف لے جانے والا ۔

''اس ارشادِ سراسر رشاد سے واضح ہے کہ شعر کا کمال بعض اوقات لوگوں پر بُرا اثر مرتب کرتا ہے ۔ کسی قوم کی زندگی موقوف علیہ و چیزیں محض شکل و صورت نہیں ہیں ۔ بلکہ جو چیز حقیقتاً قوم کی زندگی کے ساتھ تعلق رکھتی ہے وہ 'تخیل' ہے جس کو شاعر قوم کے سامنے پیش کرتا ہے اور وہ بلند نظریات ہیں جن کو وہ اپنی قوم میں پیدا کرنا چاہتا ہے ۔ قومیں شعرا کی دستگیری سے پیدا ہوتی ہیں اور اہلِ سیاست کی پامردی سے نشو و نما پا کر مر جاتی ہیں ۔ پس میری خواہش ہے کہ افغانستان کے شعرا اور انشاپرداز اپنے ہم عصروں میں ایسی روح پھونکیں جس سے وہ اپنے آپ کو پہچان سکیں ۔ جو قوم ترقی کے راستے پر چل رہی ہے اُس کی انانیت خاص تربیت کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے — مگر وہ تربیت جس کا خمیر احتیاط کے ساتھ اُٹھایا جائے ۔ پس اس انجمن کا کام یہ ہے کہ نوجوانوں کے افکار کو ادبیات کے ذریعہ سے متشکل کرے اور ان کو ایسی روحانی صحت بخشے کہ وہ بالآخر اپنی خودی کو پا کر اور

قابلیت بہم پہنچا کر پکار اُٹھیں :

دو دستہ تیغم و گردون برہنہ ساخت مرا
فسان کشیدہ بروئے زمانہ آفت مرا
من آن جہان خیالم کہ فطرتِ ازلی !
جہاں بلبل و گل را شکست و ساخت مرا
نفس دہ سینہ گدازم کہ طائر حرمم
توان ز گرمیٔ آواز من شناخت مرا

میں ایک نکتہ اور بھی کہنا چاہتا ہوں ۔ مسولینی نے ایک اچھا نظریہ قائم کیا ہے کہ اٹلی کو چاہیے کہ اپنی نجات حاصل کرنے کے لیے ایک کروڑپتی کو پیدا کرے جو اس ملک کے گریبان کو اینگلوسیکن (Anglo-Saxon) اقوام کے قرضے سے نجات دلا سکے ، یا کسی دوسرے دانتے (Dante) کو پیدا کرے جو نئی جنت پیش کرے ، یا کسی نئے کولمبس (Colombus) کو پیدا کرے جو ایک نئے بّراعظم کا پتہ لگائے ۔ اگر آپ مجھ سے دریافت کریں تو میں کہوں گا کہ افغانستان کو ایک ایسے مرد کی ضرورت ہے جو اس ملک کو قبائلی زندگی سے نکال کر وحدتِ ملّی کی زندگی سے آشنا کرسکے اور مجھے خوشی ہے کہ افغانستان کو ایک ایسا مردِ کامل مل گیا ہے جس کا وہ عرصے سے انتظار کر رہا تھا اور مجھے یقین ہے کہ اعلیٰ حضرت نادر شاہ کی شخصیت کو اسی لیے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ افغانستان کو ایشیا میں ایک نئی قوم بنا کر دنیا سے متعارف کریں ۔ اس ملک کے نوجوانوں کو چاہیے کہ اس بزرگ راہنما کو اپنی تعلیم و تربیت کا معلّم سمجھیں کیونکہ ان کی زندگی ایثار ، اخلاص اور اپنے ملک کے ساتھ صداقت اور اسلام کے ساتھ عشق و محبت سے لبریز ہے ۔''[۱۱]

پُرلطف علمی تقریروں کے بعد کھانا کھایا گیا ۔ کچھ دیر تبادلۂ خیالات ہوتا رہا ۔ علامہ کا دل پسند حُقہ رفیقِ سفر تھا ۔ علامہ گفتگو کے ساتھ ساتھ حُقہ بھی گڑگڑاتے رہے ۔ رات دس بجے قیام گاہ واپس آئے ۔

۲۹ اکتوبر کو سردار احمد خان وزیرِ دربار کی دعوت پر شام تین بجے یغمان جانے کا پروگرام تھا ۔ علامہ کو نادر شاہ سے آخری ملاقات بھی کرنا تھی ۔ اس لیے یغمان جانے کا پروگرام ملتوی کر دیا ۔ وہ شام کو وزیرِ خارجہ سردار فیض محمد خان کے ساتھ شاہ سے ملنے اُن کی رہائش گاہ ''دلکشا'' گئے ۔

رات مختلف حضرات ملاقات کی غرض سے آئے ۔ مولوی محمد بشیر صاحب ،

۱۱- ''سیر افغانستان'' و ''مقالات اقبال'' (مرتبہ معینی) ۔

صدر ، جمعیت مجاہدین ، مولانا محمد میاں ، منشی میر شمس‌الدین (سابق ناظم ، انجمن حمایتِ اسلام ، لاہور) ان میں ممتاز تھے ۔

۳۰ اکتوبر کو صبح آٹھ بجے غزنین کے لیے روانہ ہوئے ۔ حکومتِ افغانستان نے مہمانوں کے با سہولت سفر کا پورا اہتمام کیا تھا ۔ متوقع قیام گاہوں میں پہلے سے پیغام بھجوا دیے گئے تھے اور بطورِ میزبان سرور خان گویا ساتھ تھے ۔ سواری اور باربرداری کے لیے دو موٹریں اور دو لاریاں دی گئیں تھیں ۔ ایک موٹر میں علامہ اقبال ، سید سلیمان ندوی اور بیرسٹر غلام رسول تھے اور دوسری میں پروفیسر ہادی حسن ، سرور خان گویا اور عبد المجید (نمائندہ سفارت خانہ افغانستان ، دہلی) تھے ۔ ایک لاری کھانے کے سامان اور کھانا پکانے اور کھلانے والے ملازمین کے لیے تھی ۔ دوسری لاری پر مہمانوں کا سامان لدا تھا ۔ اس قافلے میں اعزاز اور حفاظت کی غرض سے دس بارہ سپاہیوں کا دستہ بھی شامل تھا ۔

غزنین کابل سے بیاسی میل ہے ۔ موٹریں دشت و جبل اور نشیب و فراز طے کرتی ایک بجے غزنین پہنچ گئیں ۔ مہمانوں نے پہلے بازار کی سیر کی اور پھر قیام گاہ آ کر کھانا تناول کیا ۔

غزنین کے آثارِ قدیمہ کی سیر کے لیے افسرِ مہمان دار سرور خان گویا نے ایک پیرِ فرتوت 'ملا قربان کو بلایا ۔ یہ صاحب نوے سال کی عمر کے تھے اور غزنین کے گوشے گوشے سے آگاہ ۔ موجودہ شہر سے کئی میل ہٹ کر قدیم شہر کے نشانات ہیں جو سلاطین غزنین کا پایۂ تخت تھا ۔ اس مقام کے مخالف سمت شہر کی دوسری طرف پرانا قبرستان ہے جہاں بیسیوں عہد ساز ہستیاں محوِ خواب ہیں ۔

فاتحہ بر مزارات حکیم سنائی و سلطان محمود ۔ علامہ سنائی کے مزار پر حاضر ہونے کا اشتیاق رکھتے تھے ۔ اس لیے سب سے پہلے مہمان خانہ سے پیدل مزار گئے اور مسنون دعا پڑھی ۔ یہاں تمام حاضرین متاثر تھے ۔ ''سب سے زیادہ ڈاکٹر اقبال پر اثر تھا ۔ وہ حکیم ممدوح کے مزار پر کھڑے ہو کر بے اختیار ہو گئے اور دیر تک زور زور سے روتے رہے ۔''[۱۲]

دوسرے چشم دید گواہ سرور گویا لکھتے ہیں : ''حکیم سنائی کی قبر پر اُس [علامہ] نے اتنے آنسوؤں کا پانی چھڑکا کہ وہاں کے پتھر موم ہو گئے ۔''[۱۳]

۱۲ - ''سیر افغانستان'' ۔
۱۳ - ''مقالات یوم اقبال'' (۱۹۶۷) ، ص ۳۶ ۔

یہاں سے فارغ ہو کر سلطان محمود غزنوی کے مزار پر فاتحہ کے لیے قافلہ چلا ۔ بروایت گویا ''سلطان محمود کے روضے کی ڈیوڑھی میں داخل ہوتے ہی علامہ نے اپنا سر فرطِ احترام سے جھکا لیا تھا۔''[۱۴]

حضرت علی ہجویری[۳] (داتا گنج بخش) کے والد کا مزار ۔ سلطان محمود غزنوی کے مزار سے واپس آتے ہوئے علامہ کو لاہور کی مناسبت سے حضرت داتا گنج بخش کے والد بزرگوار کے مزار کی تلاش ہوئی ۔ چنانچہ اُن کی ہدایت کے مطابق مُلا قربان نے قدیم ویرانوں میں قبر تلاش کی اور جملہ حضرات نے دعائے مسنونہ پڑھ کر گھر کا راستہ لیا ۔ سرور گویا اس روز کے تاثرات کو ان الفاظ میں سمیٹتے ہیں :

''جب ہم ان مقدس اور پُر جلال مقامات پر پہنچے ہیں تو ہم تو دعا میں مشغول تھے لیکن شاعر اسلام کو ہم نے وہاں دیکھا کہ وہ ایک بے جان تصویر کی طرح کھڑا ہے اور آنسوؤں کا دریا اُس کی آنکھوں سے اُمڈ رہا ہے ۔ اُس کی یہ حالت دیکھ کر ہم میں بھی یارائے ضبط نہ رہا۔''[۱۵]

۳۱ اکتوبر کو آٹھ بجے صبح غزنین سے آگے روانہ ہوئے اور گیارہ بجے دوپہر مُقر پہنچے ۔ راستہ بہت صاف اور ہموار تھا ۔ مُقر میں سرکاری افسروں کو مہمانوں کے آنے کی طلاع تھی ۔ جیسے ہی موٹریں آ کر رکیں ، گارڈ آف آنر نے سلامی دی ۔ ایک دو منزلہ عمارت میں قیام و طعام کا انتظام تھا ۔ دوپہر کا کھانا یہاں کھانے کے بعد ایک بجے قلات کا رخ کیا ۔ تین گھنٹے میں قلات غلزئی پہنچ گئے ۔ مہمان خانہ کھلے میدان میں واقع تھا اور آس پاس کوئی آبادی نہ تھی ۔ قلات غزنین سے ایک ہزار فٹ اور کابل سے دو ہزار فٹ بلند ہے ۔ اس لیے قدرتی طور پر ٹھنڈک زیادہ تھی ۔ رات قلات کے مہمان خانہ میں کٹی ۔

یکم نومبر کو صبح سویرے تمام افراد اُٹھے ۔ ناشتہ کرنے کے بعد آٹھ بجے سفر شروع کیا گیا ۔ چار گھنٹے میں قندہار پہنچ گئے ۔ شاہی قیام گاہ میں ٹھہرنے کا پروگرام تھا ۔

عبدالحئی خان سے ملاقات ۔ مہمانوں کی آمد پر شہر کے ممتاز افراد ملاقات کے لیے آئے جن میں وزارتِ خارجہ افغانستان کا نمائندہ متعینہ قندہار اور یہاں کی ادبی انجمن کے ناظم عبدالحئی خان بھی شامل تھے ۔ عبدالحئی خان ایک پشتو رسالہ ''افغان'' کے مدیر بھی تھے ۔ وہ کچھ عرصہ کراچی میں مقیم رہے

۱۴- ایضاً ۔ ۱۵- ایضاً ، ص ۳۷ ۔

تھے ، اس لیے اُردو اچھی بول لیتے تھے ۔ ان کی ادبی انجمن اور رسالہ "افغان" پشتو زبان کو سرکاری اور تعلیمی زبان بنانے کی تحریک کے علمبردار تھے ۔[۱۶] اُنھوں نے آتے ہی علامہ اقبال سے اس موضوع پر گفتگو شروع کر دی ۔ علامہ نے جواب میں زبانوں کی نشو و نما اور ترقی پر اصولی بحث فرمائی اور اس بات پر زور دیا کہ زبان ایک قوم کے مختلف افراد کی باہم پیوستگی کا سب سے ضروری اور مؤثر ذریعہ ہے ۔ لیکن اگر اس تحریک سے قوم کے افراد میں اتحاد کے بجائے اختلاف رونما ہونے کا اندیشہ ہو تو وہ پیوستگی کا پیغام ہونے کی جگہ نزاعات اور اختلافات کا ترانۂ جنگ ہے جس سے افغان قوم کو موجودہ منزل میں بہت کچھ بچنا چاہیے ۔[۱۷]

ابھی علامہ عبدالحئی خاں سے باتیں کر رہے تھے کہ قندہار کے گورنر تشریف لائے ۔ اُن سے بھی کچھ دیر باہم دلچسپی کی گفتگو رہی ۔

زیارت خرقہ شریف ۔ مہمان خانے کے قریب ہی خرقہ شریف کی زیارت اور احمد شاہ درانی کا مقبرہ تھا ۔ ان مقامات کی زیارت کے لیے علامہ اور دوسرے افراد پیدل روانہ ہوئے ۔ البتہ واپسی کے لیے موٹروں کو مقبرے کے دروازے پر پہنچ جانے کا حکم دیا گیا ۔ پہلے خرقہ شریف کی زیارت کی ۔ مشہور ہے کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ملبوسِ اقدس ہے ۔ مثنوی "مسافر" میں علامہ لکھتے ہیں :

خرقۂ آن "برزخ لایبغیان"[۱۸] دیدمش در نکتۂ "لی خرقتان"[۱۹]

مقبرہ احمد شاہ ابدالی ۔ خرقہ شریف کی زیارت کے بعد جنگ پانی پت کے ہیرو احمد شاہ ابدالی کے مقبرے پر مسنون دعا پڑھ کر سڑک پر آئے تو موٹریں

۱۶- آج کل کے افغانستان میں پشتو اور فارسی دونوں زبانیں ذریعۂ تعلیم ہیں ۔ چھپتر فی صد آبادی یہی دو زبانیں بولتی ہے ۔ پشتو پٹھانوں کی مادری زبان ہے اور افغانستان کے مشرق و جنوب مشرق علاقوں میں جلال آباد سے قندہار تک بولی جاتی ہے ۔ ۱۹۳۶ میں ایک شاہی فرمان کے ذریعے اسے قومی زبان کا درجہ دیا گیا ۔ پشتو اکیڈمی (پشتو ٹولنہ) کے ذریعے پشتو زبان کی خوب ترویج و ترقی ہوئی ۔

۱۷- "سیر افغانستان" ، ص ۱۴۹ ۔

۱۸- تلمیح بآیت قرآن (سورہ الرحمٰن) ۔

۱۹- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے : "لی خرقتان الفقر والجهاد" (میرے دو خرقے ہیں ، ایک فقر اور دوسرا جہاد) ۔

موجود تھیں ۔ یہاں سے قندہار کے سب سے خوب صورت اور دل کش طبعی منظر ارغنداب کی سیر کو روانہ ہوئے ۔

ارغنداب ۔ ارغنداب کی سیر کرتے ہوئے بابا ولی قندہاری کے مزار پر فاتحہ پڑھی ۔ واپسی پر ''چہل زینہ'' گئے ۔ یہ ایک پہاڑی ہے جس کی چوٹی پر بابر نے اپنی ہندی فتوحات کا کتبہ لگایا ہے ۔ پہاڑی کے دامن سے اوپر تک پتھر کاٹ کر زینے بنائے گئے ہیں جن کی تعداد چالیس مشہور ہے ۔ اس لیے اس پہاڑی کا نام ''چہل زینہ'' پڑ گیا ہے ۔ علامہ پہاڑی پر نہ چڑھے البتہ سید صاحب اور پروفیسر ہادی نے اپنے تاریخی ذوق کی تسکین کے لیے پہاڑی سر کی ۔

خان بہادر سید صدیق حسن سے ملاقات ۔ راس مسعود کو واپسی کی سخت جلدی تھی ۔ وہ رات کو رخصت ہو کر چمن پہنچنا چاہتے تھے تاکہ وہ جلدی علی گڑھ پہنچ جائیں ۔ قندہار میں حکومتِ برطانیہ ہند کی طرف سے قونصل خانہ تھا ۔ قونصل علامہ کے دوست سید غلام بھیک نیرنگ کے حقیقی بھائی خان بہادر سید صدیق حسن تھے ۔ علامہ سے اُن کی پرانی ملاقات تھی ۔ خان بہادر صاحب نے راس مسعود صاحب کی ہر ممکن مدد کی اور اس طرح قافلے کی ''متاع گران بہا'' رات سفر پر روانہ ہو گئے ۔ باقی رفقا نے رات قندہار میں بسر کی ۔

۲ نومبر کو آٹھ بجے صبح چائے اور ناشتہ سے فارغ ہوئے ۔ گورنر قندہار نے مہمانوں کو کچھ خشک میوے اور قندہاری اناروں کے دو ٹوکرے تحفہ بھیجے اور قافلہ چل پڑا اور بارہ بجے قلعہ جدید پہنچ گیا ۔ یہ افغانستان کی آخری چوکی ہے ۔ یہاں گویا اور دوسرے شاہی ملازمین نے علامہ اور اُن کے ساتھیوں کو الوداع کہی ۔

چمن ۔ چمن شہر کے دروازے پر مسلمانانِ شہر نے استقبال کیا اور ایک ریستوران میں چائے کا اہتمام کیا ۔ اہالیانِ شہر کی خواہش تھی کہ علامہ اور سید صاحب اپنے سفر ملتوی کر کے یہاں کے مسلمانوں کے سامنے تقاریر کریں مگر ہر دو حضرات نے معذرت کر دی ۔

ریستوران میں مختلف خیال کے مسلمان جمع ہو گئے تھے ، جو سیاسیات کی مختلف راہوں سے آشنا تھے ۔ علامہ اور سید صاحب سے طرح طرح کے سوالات کرتے رہے ۔ یہیں علامہ کے سکول کے زمانے کے ہندو دوست ، جو چمن میں مطب کرتے تھے ، ملنے آئے ۔

چمن سے ریل شروع ہو جاتی ہے مگر علامہ صاحب اور اُن کے ساتھیوں نے ایک دن بچانے کی خاطر موٹروں سے سفر کیا ۔ چمن سے ریل صرف ایک وقت

چلتی تھی ۔ اگر ریل کا سفر اختیار کرتے تو رات چمن میں ٹھہرنا ضروری تھا ۔ تقریباً چار بجے شام چمن سے روانہ ہوئے اور کوئٹہ تک چار گھنٹے کا سفر سید صاحب سے تبادلۂ خیالات میں گزارا ۔ سید صاحب لکھتے ہیں :

''عجیب اتفاق کہ راستہ تو خطرناک در پیش تھا اور ڈاکٹر اقبال صاحب نے روحانیات کے ذاتی مشاہدات و تجارب اور ایک سچے پیر کی تلاش پر گفتگو شروع کر دی ۔ گفتگو طرفین سے نہایت دلچسپ ہو رہی تھی ۔ اس عہد کے مختلف شیوخ اور بزرگانِ سلاسل کا تذکرہ رہا ۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب نے اپنے آغازِ زندگی اور طالب علمانہ عہد کا ذکر چھیڑا ۔ پھر اپنے والد مرحوم کا تذکرہ کیا ۔ وہ خود ایک صاحبِ دل صوفی تھے اور دین دار علما کی صحبت میں رہتے تھے ۔ اس ضمن میں یہ معلوم ہوا کہ ہمارے جلیل القدر اسلامی شاعر کے حسیاتِ 'خفتہ' کے تاروں میں جس مضراب نے حرکت پیدا کی وہ خود اُن کے والد ماجد کی ذات بابرکات تھی ۔''[۲۰]

علامہ اپنے والد مرحوم کی زندگی کے یادگار واقعات سناتے رہے ۔

۳ نومبر کو کوئٹہ میں رات ڈاک بنگلہ میں گزاری ۔ دس بجے صبح سٹیشن پر آئے ۔ گیارہ بجے گاڑی چلی اور ملتان تک سید صاحب اور علامہ کا ساتھ رہا ۔ علامہ ملتان سے لاہور کی گاڑی میں بیٹھے اور اسی روز شام کو اپنے گھر پہنچ گئے ۔

اخباری بیان ۔ ۶ نومبر ۱۹۳۳ کو علامہ نے اپنے ہمسفروں کے ایما پر اپنے دورے کے بارے میں حسب ذیل اخباری بیان جاری کیا :

''سب سے پہلے جو قابلِ ذکر چیز ہمیں نظر آئی وہ یہ ہے کہ افغانستان میں لوگوں کے جان و مال بالکل محفوظ ہیں ۔ یہ ایک ایسی حکومت کے لیے بذات خود ایک بہت بڑی کامیابی ہے جسے صرف چار سال پیشتر ملک میں عام بغاوت کو فرو کرنا پڑا ہو ۔ دوسری بات جس سے ہم متاثر ہوئے وہ وہاں کے وزرا کی نیک نیتی اور اخلاص ہے جس سے وہ اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں ۔ سخت قسم کے قدامت پسند لوگ بھی ان وزرا کے حامی ہیں اور نتیجۃً جب کہ ہمارے سامنے ایک مقتدر افغان عالم نے کہا آج کے افغانستان میں ملاؤں اور نوجوانوں میں کوئی اختلاف نہیں ۔

''حکومتِ افغانستان کا ارادہ ہے کہ سارے محکمۂ تعلیم کو جدید طریقوں پر از سرِ نو ترتیب دیا جائے اور ساتھ ساتھ افغانستان اور ہمسایہ ممالک کے درمیان والی سڑکوں کی مرمت کی جائے ۔ نئی یونیورسٹی بتدریج ترقی کر رہی ہے اور اس کے لیے پہلے ہی ایک خوب صورت اور وسیع محل مخصوص کر دیا گیا ہے ۔

۲۰ ۔ ''سیر افغانستان'' ۔

سب سے پہلے شعبۂ طب قائم کیا گیا ہے اور اس میں اعلیٰ تعلیم شروع ہو گئی ہے ۔ دوسرا شعبہ جس کا قیام زیرِ غور ہے وہ سول انجینیرنگ کا ہوگا ۔ رہا سڑکوں کا سوال ، تو کابل کو پشاور سے ملانے والی ایک نئی سڑک آئندہ دو سال کے عرصے میں مکمل ہو جائے گی ۔ اس سڑک کا نقشہ بڑے غور و فکر سے تیار کیا گیا ہے ۔ روسی سرحد تک جانے والی سڑک مکمل ہو چکی ہے اور یہ سڑک اس لیے بہت اہم ہے کہ یہ وسطی ایشیا کو وسطی یورپ سے قریب کر دیتی ہے ۔

اعلیٰ حضرت شاہ افغانستان نے ہمیں شرف باریابی بخشا اور کافی طویل گفتگو ہوتی رہی ۔ اعلیٰ حضرت کی سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ اُن کا ملک پھلے پھولے اور اپنے ہمسایہ ممالک سے صلح اور آشتی قائم رکھے ۔

''افغانستان آج ایک متحد ملک ہے ، جہاں ہر طرف بیداری کے آثار پائے جاتے ہیں اور حکام کافی سوچ بچار کے بعد نئے پروگرام بنا رہے ہیں ۔ افغانستان سے ہم اس یقین کے ساتھ واپس ہوئے ہیں کہ اگر موجودہ حکام کو دس سال تک اپنا کام جاری رکھنے کا موقع مل جائے تو بلا شک و شبہ افغانستان کا مستقبل روشن ہے ۔''[۲۱]

علامہ نے اس سفر کی یاد میں مثنوی ''مسافر'' لکھی اور افغانستان کے مناظرِ فطرت سے دل کھول کر لطف اُٹھایا ۔ جمال الدین احمد اور محمد عبدالعزیز کی تالیف ''افغانستان'' کے دیباچے میں لکھتے ہیں :

''جب افغانستان کے بارے میں سوچتا ہوں ، اور اکثر ایسا ہوتا ہے ، تو میرے سامنے افغانوں کے دیس کی وہ تصویر گھومنے لگتی ہے جیسی میں نے پچھلے موسمِ خزاں میں دیکھی تھی ۔ میں ایک سادے سے آرام دہ کمرے میں بیٹھا ہوا ہوں ۔ آس پاس باغ ہے ۔ باغ سے ہرے زمین کا ایک بڑا ٹکڑا آہستہ آہستہ اوپر کو اُبھرتا چلا جاتا ہے جہاں تک کہ پہاڑی سلسلے میں جا ملتا ہے ۔ ایک کے پیچھے بلند ہوتی ہوئی پہاڑیوں کی ایک قطار ہے یہاں تک کہ یہ بلندیاں ہندوکش کے سلسلے تک جا پہنچتی ہیں ۔ دور تک پھیلے ہوئے میدانوں کے اس پار اُونچی اُونچی روشیں ہیں ، دور دراز سے آتی ہوئی طوفانی ہوائیں جنھیں چیرتی ہوئی آگے بڑھ جاتی ہیں ۔ اُوپر مغرب میں ڈوبتے ہوئے سورج کے حسین اور خوشنما رنگوں سے آراستہ آسمان نظر آتا ہے ۔ نیچے وادیوں میں سائے تیزی سے رینگتے ہوتے ہیں ۔ لا تعداد پتلے لمبے سرو کے درخت ان سایوں کے درمیان اپنے پر پھیلائے کھڑے ہیں ۔ سبک سیر ہوائیں ان کی پتیوں کو چومتی ہوئی آگے بڑھ جاتی ہیں ۔ شفق کے سکون میں وادی ، وادی کے درخت ، دور افتادہ گاؤں اور دھندلے کہر کے سمندر میں بہتے ہوئے پہاڑ خوابوں جیسا حسین منظر پیش

۲۱- ''حرف اقبال'' ، ص ۲۳۱ - ۲۳۲ -

کرتے ہیں پھر ایکا ایکی شام کا جادو اذان کی آواز سے ٹوٹ جاتا ہے۔ میرے سب ساتھی اپنی اپنی جگہیں چھوڑ دیتے ہیں۔ موذن کی دل میں اتر جانے والی آواز مجھے کہیں اپنے سے بھی دور لے جاتی ہے اور میں مسجد میں سب کے بعد پہنچتا ہوں جہاں میرے ساتھی مہمان اور مصاحبوں کے ساتھ شاہی میزبان جمع ہیں۔''۲۲

مآخذ

''حرف اقبال''۔

سید سلیمان ندویؒ، ''سیر افغانستان''۔

''ماہ نو'' (ماہنامہ) بابت ۵ اپریل ۱۹۶۵۔

مثنوی ''مسافر''۔

''مقالات یوم اقبال'' (۱۹۶۷)، مضمون سرور گویا اعتمادی۔

عبدالسلام ندوی، ''اقبال کامل''۔

ڈاکٹر ظہیرالدین، ''اقبال کی کہانی''۔

''اسلامی تعلیم'' (سہ ماہی)، اقبال نمبر۔

۲۲- ''ماہ نو'' (اپریل ۱۹۶۵)، ص ۱۲۔